اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکالیف

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکالیف

(فرمودہ ۳۰۔دسمبر ۱۹۳۲ء برموقع جلسہ انصاراللہ بمقام مسجد نور قادیان)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری طبیعت تو آج زیادہ خراب تھی چنانچہ نماز میں بھی میں نہیں آسکا سر درد، نزلہ اور گلے میں درد کی شدید تکلیف ہے لیکن انصاراللہ کا کام اِس قسم کا ہے کہ میں نے خود اِس جلسہ میں شامل ہونا ضروری سمجھا اور چونکہ اِس کی بنیاد میری کئی خوابوں پر رکھی گئی ہے اِس لئے میں نے اس میں شرکت ضروری خیال کی۔ پھر یہاں آکر جو رپورٹ سُنی ہے اِس سے اور بھی زیادہ احساس اِس بات کا ہوا ہے کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے خود کہنا چاہئے ورنہ جمعہ کے متعلق تو میں نے یہی خیال کیا تھا کہ خطبہ کوئی اور پڑھ دے اور نماز میں پڑھا دوں گا کیونکہ گلے کے درد کی وجہ سے مجھے اتنی سخت تکلیف تھی کہ میں کوئی تقریر کرنا مناسب خیال نہیں کرتا تھا مگر یہاں شامل ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ خواہ مجھے تکلیف بھی ہے، تب بھی میں اپنے خیالات ظاہر کردوں۔ میں چونکہ اونچی آواز سے نہیں بول سکتا اس لئے آگے آجاتا ہوں (یہ کہہ کر حضور مسجد نور کے محراب سے برآمدہ کے درمیانی دروازہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا)

آج باوجود اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کام کے لحاظ سے اونچی آواز دی ہے اس قدر نزلہ، گلے اور سینے کے درد کی تکلیف ہے کہ میں باوجود کوشش کے اپنی آواز اونچی نہیں کرسکتا۔

میں نے ذکر کیا ہے کہ میں اپنی تکلیف کی وجہ سے آج صرف یہ ارادہ رکھتا تھا کہ اس جلسہ میں شامل ہوکر چلا آؤں گا مگر رپورٹ سُننے کے بعد دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ باوجود تکلیف کے مجھے کچھ نہ کچھ ضرور کہنا چاہئے۔ شاہ صاحب نے جو کچھ رپورٹ سُنائی ہے اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ گو کام اِس قدر نہیں ہوا جس قدر ہونا چاہئے تھا مگر پھر بھی عام جماعت کو مدنظر رکھتے ہوئے انصاراللہ کا کام بہت زیادہ ہے۔ ہماری تمام جماعت لاکھوں افراد پر مشتمل ہے جن میں سے بتایا گیا ہے کہ اٹھارہ سَو انصاراللہ ہیں۔ اِس لاکھوں کی جماعت کی کوشش سے سارے سال میں پانچ چھ ہزار آدمی جماعت میں داخل ہوتے ہیں لیکن اِس کے مقابلہ میں انصاراللہ کی کوشش سے اس سال چھ سَو افراد جماعت میں شامل ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ گو تعداد کے لحاظ سے انصاراللہ تمام جماعت کے مقابلہ میں سَو میں سے ایک بھی نہیں لیکن تبلیغی لحاظ سے انہوں نے جماعت کے کام کے مقابلہ میں دس فیصدی کام کیا ہے اور پھر بتایا گیا ہے کہ اٹھارہ سَو میں سے صرف تین سَو انصاراللہ نے حقیقی کام کیا جو تمام انصاراللہ کا ۱/۶ ہوتے ہیں گویا ساری جماعت میں سے ۱۸ سَو آدمی جن کی فیصدی کچھ نسبت ہی نہیں بنتی ان کا انصاراللہ میں داخل ہونا اور ان میں سے صرف ۱۶ فیصدی کا کام کرنا جس کے نتیجہ میں چھ سَو افراد کا جماعت میں شامل ہونا درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اس تنظیم سے کام میں تیزی پیدا ہوئی ہے۔

پھر رپورٹ میں ایک یہ بات بھی نہایت خوشکن تھی کہ جماعت ضلع گجرات جو کسی زمانہ میں تمام جماعتوں کے مقابلہ میں دوسرے نمبر پر ہوا کرتی تھی، جہاں بیسیوں افراد اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے موجود ہیں اور جہاں کے لوگوں نے اُس وقت سلسلہ احمدیہ کو قبول کیا جب کہ بڑی بڑی سختیاں اور ظلم ہوا کرتے تھے اور انہوں نے ظلموں کو برداشت کرتے ہوئے ایمان کو ہاتھ سے نہ جانے دیا مگر بعد میں وہاں سُستی پیدا ہوگئی اور جماعت گرتے گرتے اب شاید پانچویں یا چھٹے نمبر پر رہ گئی۔ اس میں بھی اب بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ مجھے اپنے بچپن کے زمانہ میں ضلع گجرات کے لوگوں کا یہاں آنا یاد ہے۔ اُس وقت سیالکوٹ اور گجرات سلسلہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے گورداسپور بہت پیچھے تھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ نبی کی اپنے وطن میں زیادہ قدر نہیں ہوتی۔[1] اس زمانہ میں سیالکوٹ اوّل نمبر پر تھا اور گجرات دوسرے نمبر پر۔ مجھے گجرات کے بہت سے آدمیوں کی شکلیں اب تک یاد ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بہت سے اِس اخلاص کی وجہ سے کہ تا وہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس الہام کو پورا کرنے والے بنیں کہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔[2] نہ اس وجہ سے کہ انہیں مالی تنگی ہوتی پیدل چل کر قادیان آتے۔ ان میں بڑے بڑے مخلص تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قُرب رکھتے۔ یہ بھی ضلع گجرات کے لوگوں کا ہی واقعہ ہے جو حافظ روشن علی صاحب مرحوم سنایا کرتے تھے اور میں بھی اِس کا ذکر کر

چکا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے ایام میں ایک جماعت ایک طرف سے آ رہی تھی اور دوسری دوسری طرف سے۔ حافظ صاحب کہتے۔ میں نے دیکھا وہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے ملے اور رونے لگ گئے۔ میں نے پوچھا۔ تم کیوں روتے ہو؟ وہ کہنے لگے ایک حصہ ہم میں سے وہ ہے جو پہلے ایمان لایا اور اِس وجہ سے دوسرے حصہ کی طرف سے اسے اس قدر دُکھ دیا گیا اور اتنی تکالیف پہنچائی گئیں کہ آخر وہ گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہو گیا پھر ہمیں ان کی کوئی خبر نہ تھی کہ کہاں چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے احمدیت کا نور ہم میں بھی پھیلایا اور ہم جو احمدیوں کو اپنے گھروں سے نکالنے والے تھے خود احمدی ہو گئے۔ ہم یہاں جو پہنچے تو اتفاقاً اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت ہمارے وہ بھائی جنہیں ہم نے اپنے گھروں سے نکالا تھا دوسری طرف آ نکلے۔ جب ہم نے ان کو آتے دیکھا تو ہمارے دل اس درد کے جذبہ سے پُر ہو گئے کہ یہ لوگ ہمیں ہدایت کی طرف کھینچتے تھے مگر ہم اُن سے دشمنی اور عداوت کرتے تھے یہاں تک کہ ہم نے ان کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا آج خدا نے اپنے فضل سے ہم سب کو اکٹھا کر دیا۔ اِس واقعہ کی یاد سے ہم چشمِ پُر آب ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ضلع گجرات میں پھر سلسلہ کے خلاف شورش پیدا ہو رہی ہے اور پھر مخالفین مقابلہ کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ یاد رکھو مقابلہ اور شورش مومن کیلئے خوشی اور مسرت کا موجب ہے نہ کہ دُکھ اور مصیبت کا باعث۔ شاعر اپنے شعروں میں نہایت فخریہ انداز میں کہا کرتے ہیں۔ ہم اپنے معشوق کیلئے یہ یہ دُکھ اُٹھاتے ہیں، وہ کسی انعام کے طالب نہیں ہوتے، وہ کسی روپیہ کا لالچ نہیں رکھتے بلکہ وہ دُکھ میں لذّت اور محبوب کیلئے تکلیف اُٹھانے میں راحت محسوس کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اِس عشقِ حقیقی کے نتیجہ میں جہاں ہمارا مولیٰ ہمارا معشوق ہوتا ہے جو سارے حُسنوں کی کان ہے لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہمیں دولت ملنی چاہئے، ہمیں تمام دُکھوں اور تکلیفوں سے نجات حاصل ہو جانی چاہئے، حالانکہ وہ عشق ہی کیا جس میں درد نہ ہو اور وہ محبت ہی کیا جس میں سوز نہ ہو۔ جیسا کہ ابھی خان صاحب (منشی قاسم علی خاں قادیانی) نے اپنے اشعار میں بتایا ہے۔ دردِ دل کے بغیر عشق کا مزا نہیں۔ پس یہ رنج کی بات نہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکالیف پہنچتی ہیں بلکہ خوشی اور مسرت کی بات ہے۔ مجھے اس جلسہ سالانہ میں سب سے زیادہ خوشی ایک مجذوب سے دُبلے پتلے انسان کے کلام سے ہوئی۔ وہ ملاقات کیلئے آیا اور جب سب مل چکے تو آخر میں اُس نے مصافحہ کیا اور کہنے لگا۔ میں اپنے گاؤں میں اکیلا احمدی ہوں اور اکیلا ہی لوگوں کی گالیوں اور اُن کی مار پیٹ کا مزا لیتا ہوں۔ اُس نے پنجابی میں فقرہ کہا

جو نہایت ہی دلچسپ ہے کہنے لگا۔ (میں اکلا ہی لوکاں دی گالیاں تے مار دا مزا اٹھانداں ہاں) اور اُس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اُسے ان تکالیف میں مزا آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرنا اور پھر گالیوں اور لوگوں کی مار سے ڈرنا یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی صحابہؓ حسرت سے کہا کرتے تھے کہ وہ دن کیسے اچھے اور بابرکت تھے جب ہم دشمنوں سے ماریں کھایا کرتے تھے۔[۳]

ہم میں سے ہر شخص اگر اس کی اولاد نہیں تو کبھی وہ بیٹا ضرور رہا ہے۔ ہم خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ماں باپ کی محبت کا بڑا مظاہرہ اُس وقت ہوتا ہے جب اُن کے بچہ کو کوئی شخص پیٹے یا اُسے دُکھ اور تکلیف پہنچائے یا وہ بیمار ہو جائے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دوسرے بندے دکھ دیتے ہیں تو جس طرح ماں باپ اپنے بچوں سے لپٹ جاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے لپٹ جاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ ہمیں نظر نہیں آتے مگر اُس کی محبت ہمیں نظر آتی ہے۔ بے شک وہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ[۴] ہے اور نہ اُس کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں لیکن جس محبت کے ساتھ وہ اپنے بندے کی طرف جُھکتا ہے اس سے زیادہ شاندار محبت کا مظاہرہ دنیا کا کوئی ماں باپ نہیں کر سکتا۔

بدر کی جنگ میں ایک عورت کا بچہ گُم ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ جنگ کے بعد وہ گھبرائی ہوئی پھرتی، کبھی اِدھر جاتی اور کبھی اُدھر، آخر تلاش کرتے کرتے اُسے اُس کا بچہ مل گیا، وہ اُسے اپنی چھاتی سے لگا کر ایک طرف بیٹھ گئی، اُس کے چہرہ سے خوشی کے آنسو اور اطمینان کے آثار ظاہر ہوئے، تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ اِس عورت کی طرف دیکھو یہ کس طرح گھبرائی ہوئی پھرتی تھی اور اب اسے بچہ ملنے کے بعد کیسا اطمینان ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اِس ماں کو اپنا بچہ ملنے سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اللہ تعالیٰ کو اُس وقت ہوتی ہے جب گنہگار بندہ اُس کے حضور توبہ کرتا ہے۔[۵]

غرض یاد رکھو مذہب عشق کا نام ہے۔ اگر عشق نہیں تو فلسفیانہ خیالات ہمیں کبھی تسلی نہیں دلا سکتے۔ ہمیں چُپ کرانے اور اطمینان دلانے والا دماغ نہیں بلکہ دل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید دل کو دماغ پر مقدم کرتا ہے اور دل کو ہی انوارِ الٰہیہ کا مہبط قرار دیتا ہے۔ عشق کی وہ ٹیس جو دل میں پڑتی ہے اسے ہر شخص محسوس کرتا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا عشق ہو اور خواہ دنیا میں سے اولاد کی محبت یا بیوی بچوں کی محبت یا دوستوں اور عزیزوں کی محبت۔ سائنسدان کہتے ہیں یہ

کیسی غلط بات ہے جو قرآن مجید نے کہی کہ دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ محبت کا تعلق تو دماغ سے ہے مگر ہم ان کی سائنس کو کیا کریں ہمیں تو جب بھی ٹیس اُٹھتی ہے دل میں ہی اُٹھتی ہے، سر میں نہیں اُٹھتی۔ جب محبوب کیلئے انسان تکلیف اُٹھاتا ہے تو وہ سینے پر ہی ہاتھ رکھتا ہے سر پر نہیں رکھتا ہے۔ لوگ محبت میں دل پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہائے میرے دل کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ خیالات انسان کے دماغ میں بھی اُٹھتے ہونگے پر جو محبت انسان کو پاک کرتی ہے وہ دل میں اُٹھتی ہے۔ وہیں کچھ ہوتا ہے گو ہم بیان نہیں کر سکتے کہ کیا ہوتا ہے۔ ہمیں ڈاکٹروں سے غرض نہیں، ہمیں سائنس دانوں سے تعلق نہیں اور نہ ہم ڈاکٹری یا سائنس کے دعویدار ہیں مگر ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دل میں کچھ ہوتا ضرور ہے۔ ہم بیان نہیں کر سکتے کہ کیا ہوتا ہے مگر ہوتا دل میں ہی ہے۔ پس اگر کسی جگہ ہماری جماعت کی مخالفت ہوتی ہے تو ڈرنے کی کوئی بات نہیں وہ سچے عاشقوں کے نزدیک اِن تکالیف اُٹھانے والے احمدیوں کو قابلِ رحم نہیں بناتی بلکہ قابلِ ستائش ٹھہراتی ہے۔ نادان ہیں وہ جو یہ کہتے ہیں کہ ہائے ہمیں یہ یہ تکلیف ہو رہی ہے۔ عاشق صادق تو وہ ہوتا ہے جو کہتا ہے واہ واہ فلاں تکلیف اُٹھانے والا کس طرح منازلِ قُرب طے کر رہا ہے، خدا کا فضل اسے کیسے کھینچ رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں کیسے آرام سے بیٹھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے زیادہ مقرب انسان سب سے زیادہ تکالیف کا موردِ بنتا ہے۔[٦] پس تکلیفیں اُٹھانا علامت ہے اِس بات کی کہ وہ ایسے انسانوں کو بڑھانے اور ترقی دینے کا ارادہ رکھتا ہے بشرطیکہ وہ ان کی قدر کریں اور بشرطیکہ تکالیف آنے پر اور زیادہ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کی اشاعت میں کوشاں ہوں۔ ایک بزرگ انسان کے متعلق آتا ہے کہ لوگوں نے ان کو سنگسار کرنے کیلئے پتھر مارنے شروع کئے۔ وہ پتھر اُٹھاتے اور اُسے بوسہ دیتے کہتے یہ میرے محبوب کی محبت کی علامت ہے۔ پس تکلیفیں کوئی چیز نہیں اگر دل میں عشق ہو تو تمام تکلیفیں انسان کیلئے راحت بن جاتی ہیں۔ اگر ہم خدا کے ہیں تو مصیبت میں ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا کا بندہ جو ہوتا ہے وہ ایک ہی بات جانتا ہے اور وہ یہ کہ جہاں مجھے میرا محبوب رکھے گا میں وہیں خوش رہوں گا اگر وہ مجھے تکلیف میں رکھ کر خوش ہوتا ہے تو اسی میں میری خوشی ہے اور اگر آرام کی زندگی دے کر خوش ہوتا ہے تو اسی میں میری خوشی ہے۔ غرض مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مقام پر خوش رہے اس جگہ سے نہ آگے جائے نہ پیچھے ہٹے جہاں خدا نے اسے کھڑا کر دیا ہے۔ پس یاد رکھو کہ دنیا کے دُکھ ہرگز عذاب نہیں بلکہ اگر کوئی اس لئے دُکھ دیتا ہے کہ تم کیوں خدا کا سچا دین

اختیار کئے ہوئے ہوتو وہ دُکھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ایسی ہر تکلیف تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی اور اُس کے فضلوں کا وارث بناتی ہے اور اِس سے زیادہ نعمت اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

میں نے دیکھا ہے کہ آج کچھ لوگ جھنڈے پکڑے یہاں بیٹھے ہیں۔ مجھے یہ جھنڈے دیکھ کر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جھنڈا علامت ہوتی ہے اِس بات کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کو اُونچا رکھیں گے۔ بظاہر یہ معمولی بات نظر آتی ہے مگر اسلام میں جھنڈے کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ معمولی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں اُس کو جھنڈا دوں گا جو اس کا حق ادا کرے گا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک صحابی نے کہا میں اس کا حق ادا کروں گا آپ نے اُسے جھنڈا دے دیا۔ چونکہ جھنڈے والا شخص نشانہ دار قرار دیا جاتا تھا اور اس امر کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا کہ یہ اس کو اونچا رکھے اس لئے دشمن اس پر خصوصیت سے حملہ کرتا۔ جب لڑائی ہوئی اور کفار مقابلہ کرتے ہوئے اس صحابی کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے تلوار سے اس کے ہاتھ کو کاٹ ڈالا جس میں وہ جھنڈا تھامے ہوئے تھے انہوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں جھنڈا تھام لیا اور جب دشمنوں نے تلوار سے اسے بھی کاٹ ڈالا تو پھر لاتوں کے درمیان اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ آخر دشمنوں نے پاؤں بھی کاٹ ڈالے اور جب انہوں نے دیکھا کہ اب پاؤں بھی جاتے رہے تو انہوں نے منہ سے جھنڈا پکڑ لیا اور جب اس جگہ بھی دشمن نے تلواریں مارنی شروع کیں اور وہ موت کے قریب پہنچ گئے تو آخری الفاظ ان کے یہ تھے کہ دیکھنا اسلام کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ دوسرے صحابہ بڑھے اور انہوں نے اس جھنڈے کو تھام لیا۔ [۵] تو جھنڈا علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ہم دین کو اونچا رکھیں گے لیکن اگر لوگ جھنڈے تو بنائیں مگر دین کو اونچا نہ کر سکیں تو اِن ظاہری جھنڈوں کو اونچا کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر دین کا جھنڈا ہی بلند نہ رہا تو ان کپڑے یا لکڑی کے جھنڈوں کو اگر ہم نے اونچا بھی کیا تو اِس سے کیا حاصل۔ بھلا کونسی ذلیل سے ذلیل قوم ہے جو لکڑی پر کپڑا نہیں باندھ سکتی۔ یہ تو علامت ہے اِس بات کی کہ جب کوئی قوم جھنڈا اونچا کرتی ہے تو اِس بات کا اقرار کرتی ہے کہ وہ دین کو بھی اونچا رکھے گی۔ پس اگر آپ لوگوں نے یہ جھنڈے بنائے ہیں تو ان کا احترام کریں اور اِس بات کا عہد کریں کہ دین کو اونچا رکھیں گے اور سلسلہ احمدیہ کو پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت برداشت کرنے کیلئے تیار رہیں گے۔

میں نے تو دیکھا ہے کہ جب تک مجھے علم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو دین کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہے مجھے اُس کیلئے دعا کرنے کا جوش ہوتا ہے مگر جب وہ مجھے لکھتا ہے کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ

مجھے اس تکلیف سے نجات دے تو میں دیکھتا ہوں کہ میرا تمام جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ میں اُس کے لئے دعا تو کرتا ہوں مگر میری خوشی مٹ جاتی ہے کیونکہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا کے راستے میں دُکھ اُٹھانا کسی مومن کو دو بھر معلوم ہو۔ ہاں اگر گناہوں کی وجہ سے کوئی تکلیف آئے یا آسمانی بلاء اُترے یا کسی کا عزیز بیمار ہو جائے تو یہ اور بات ہے۔ اس کا حق ہے کہ وہ مجھے دعا کیلئے لکھے مگر یہ پسندیدہ امر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو مشکلات پیش آئیں، ان پر گھبراہٹ یا خوف کا اظہار کیا جائے۔ اگر کسی کے سامنے ایسی مصائب آتی ہیں تو وہ خوش قسمت انسان ہے اور مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے لیکن جب وہ مجھے دعا کیلئے لکھتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کمزور دل کا انسان ہے اللہ تعالیٰ اسے ابتلاء سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کیلئے جو تکالیف انسان برداشت کرتا ہے وہ بادشاہوں کے تخت سے بھی زیادہ اعزاز کا موجب ہوتی ہیں۔ بے شک خدا نے منع فرمایا ہے کہ انسان خود کسی مصیبت کا طالب ہو اور اس نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت اس قسم کی خواہش سے انسان کو روک دیا ہے لیکن اگر خدا اِس قسم کی دعا سے نہ روکتا تو عاشقِ صادق تو یہی دعا کیا کرتے کہ الٰہی! ہمیں تیرے راستہ میں مصائب پہنچیں اور سچے عاشق تو پھر بھی اپنے رنگ میں دعا کر ہی لیا کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! مجھے مدینہ میں موت آئے اور آئے بھی شہادت کی موت۔ [۸] آخر اللہ تعالیٰ نے مدینہ سے ہی ایک آدمی کو کھڑا کر دیا اور اس طرح انہیں شہادت نصیب ہوگئی۔ تو مومنِ صادق اُن ابتلاؤں سے ہرگز نہیں گھبراتا جو دین کی وجہ سے اُس پر وارد ہوں۔ ہاں جو دُنیوی امور کی وجہ سے تکالیف آئیں ان میں دعا کراتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کیلئے جو ابتلاء ہوں ان میں رنج کی کونسی بات ہوتی ہے جو انسان دعا کیلئے لکھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ جنگ میں اُنگلی پر زخم آیا آپ نے ایک شعر پڑھا حالانکہ آپ شعر نہیں کہا کرتے تھے۔ فرمایا

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ [۹]

تُو اُنگلی ہی ہے جو خدا کی راہ میں زخمی ہوئی۔ پھر یہ زخمی ہونا کونسی بڑی بات ہے۔

پس اگر تم واقعی انصار اللہ بننا چاہتے ہو تو دین کا جھنڈا تمہیں بلند رکھنا چاہئے اور دین کی وجہ سے جو مشکلات پیش آئیں اُن سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ بجائے اس کے کہ تم ان تکالیف کو ذلّت محسوس کرو، فخر کے ساتھ ان کا دوسروں کے پاس ذکر کرو کیونکہ وہ ذلّت نہیں بلکہ عزت ہیں کوئی

دنیا کا کام شہادت کے کام سے بڑھ کر نہیں اور کوئی دنیا کی عزت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مار اور گالیاں کھانے سے زیادہ اعزاز والی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کیلئے گالیاں کھانا ذلّت ہے تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی بھی اس سے حصہ پاتے رہے کیونکہ انبیاء کو ہمیشہ گالیاں دی جاتی رہیں۔ پس گالیاں ذلّت کا سامان نہیں بلکہ عزت کا باعث ہیں۔ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر گالیاں کھانے والا نہیں ہوسکتا۔ آج تک رنگیلا رسول وغیرہ کتابیں جو شائع ہوئیں وہ انہی گالیوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگر گالیاں کھانا ذلّت ہے تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خدا نے ذلّت کے سامان پیدا کئے؟ نہیں بلکہ خدا کیلئے گالیاں کھانا عزت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس عزت کا سب سے بڑھ کر سامان ہوتا رہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کا کیا بگاڑا تھا جو انہیں لوگوں کی طرف سے گالیاں ملتیں۔ آپ کا اگر کوئی جُرم تھا تو یہی کہ آپ شیطان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ پس وہ گالیاں گالیاں نہیں تھیں بلکہ اِس بات کا اقرار تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے ایک نور لائے ہیں جسے اندھی دنیا قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پس وہ اپنے عِناد کو گالیوں کی صورت میں ظاہر کرتی۔ یہ جذبہ اور یہ روح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت جماعت کے لوگوں میں موجود تھی مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ کم ہو رہی ہے۔ یعنی دین کیلئے جو تکالیف پیش آئیں انہیں لوگ ذلّت سمجھتے اور گھبرانے لگتے ہیں حالانکہ یہ ابتلاء تو وہ ہیں کہ آئندہ لوگ ترسیں گے مگر انہیں یہ دیکھنے نصیب نہیں ہونگے۔ جب اللہ تعالیٰ احمدیت کو غلبہ دے گا، جب بادشاہت اِس جماعت کو مل جائے گی پھر کون ہوگا جو احمدیوں پر اُنگلی بھی اُٹھا سکے گا مگر کیا تم سمجھتے ہو اُس وقت کے لوگ آج کل کے لوگوں سے افضل ہوں گے۔ اُس وقت کا بادشاہ بھی آجکل کے فقیر سے ادنیٰ ہوگا۔

پچھلے ایام میں جب مستریوں کا فتنہ اُٹھا اگرچہ ہمارے لوگوں کو غصہ آتا تھا مگر میں اللہ تعالیٰ کا شُکر کرتا تھا کہ اِس ذریعہ سے اُس نے میری روحانی ترقی کا سامان کر دیا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میں قادیان میں رہتا ہوں میرے بس میں یہ کہاں تھا کہ میں ایسے لوگ کھڑے کر دیتا جو مجھ پر بھی حملے کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تکلیف ہمارے نفس کی طرف سے ہو اُس کا تو ازالہ کرنا چاہئے مگر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اُسے خوشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ یہ روح ہے جو ہماری جماعت کو پیدا کرنی چاہئے اور یہ روح ہے جس سے قومیں ترقی کیا کرتی ہیں۔ کل ہی ایک دوست نے مجھے ایک واقعہ سنایا جس سے مجھے بہت لطف آیا۔ ایک جگہ ہماری نئی جماعت قائم ہوئی ہے

صرف ایک نوجوان اس جگہ کے جماعت میں شامل ہیں۔ لوگوں نے انہیں دکھ دیا اور بہت سی تکالیف پہنچائیں ہیں وہ ایک اعلیٰ عہدے پر ہیں مگر انہوں نے اس بات کو بھی غیرت کے خلاف سمجھا کہ مجھ سے اِس واقعہ کا ذکر کریں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ کئی ہیں جو کہہ دیا کرتے ہیں ہائے ہم مر گئے ڈپٹی کمشنر سے سفارش کرو کہ تکالیف دور ہوں۔ کیا ڈپٹی کمشنر خدا سے بھی تمہارا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اگر تم ماریں کھاتے ہو اور خدا کو غیرت نہیں آتی تو کوئی ڈپٹی کمشنر تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے بلکہ یہ تو تمہارے لئے ذلّت اور رُسوائی ہے کہ ہمارے آقا اور مولیٰ نے تو ہمارے لئے حرکت نہ کی، نہ ہمارے پیارے نے ہمارے لئے غیرت دکھائی اور ہم ڈپٹی کمشنر کی پناہ لینا چاہتے ہیں۔ پس دین کے لحاظ سے یعنی اِس وجہ سے کہ تم کیوں اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کرتے ہو، اگر تمہیں تکالیف پہنچتی ہیں تو فخر کرنا چاہئے اور انہیں ان تکالیف سے علیحدہ سمجھنا چاہئے جو دنیاوی امور کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ کئی لوگ ہیں جو اِس فرق کو نہیں سمجھتے اور وہ دُنیوی تکلیفوں کے متعلق یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ دین کی وجہ سے پہنچیں حالانکہ اگر وہ واقعی دین کیلئے تکالیف ہیں تو تمہیں خوش ہونا چاہئے اور اگر دنیاوی تکالیف ہیں تو ان کا نام دینی مصائب رکھنا غلطی ہے۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دل میں عشق پیدا کرو، سوز پیدا کرو اور اگر تمہیں خدا کیلئے کوئی تکلیف پہنچے تو اُسے ایسا ہی سمجھو جیسا عاشق اپنے محبوب کے متعلق خیال کرتا ہے اور سمجھ لو کہ خدا تم سے ان تکالیف کی وجہ سے ناز کر رہا ہے اس عشق کو لے کر نکلو اور اس یقین کو لے کر جاؤ کہ خدا کے عاشق دنیا پر غالب آیا کرتے ہیں۔ مایوسیاں چھوڑ دو کہ خدا کی جماعت کبھی مایوس نہیں ہوا کرتی۔ دنیا تمہارا شکار ہے اور یہ تکالیف محض اللہ تعالیٰ تمہاری مشق کرانے کیلئے، تمہارے دل میں سوز اور درد پیدا کرنے کیلئے اور تمہارے عشق کو بڑھانے کیلئے لاتا ہے۔ اگر تم اِن تکالیف کو ہٹانا چاہتے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے سوز اور عشق کو کم کرنا چاہتے ہو حالانکہ انہیں بڑھانے کی ضرورت ہے نہ کہ کم کرنے کی۔ پس تم سوز اور عشق کو لے کر نکلو۔ فلسفہ ہمیشہ غیر کیلئے ہوتا ہے مگر جب تم اپنے ہو گئے تو اب تمہارے لئے صرف سوز اور عشق رہ گیا۔ اگر ہم یہاں دلیلیں بیان کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ تمہارے سامنے پیش کریں بلکہ اس لئے کہ تم انہیں غیروں کے سامنے پیش کیا کرو۔ عاشقِ صادق دلیلوں کا محتاج نہیں ہوتا وہ تو سوز اور عشق کا طلبگار رہتا ہے۔ جس کو محسوس ہو رہا ہے کہ محبوب کا ہاتھ اُس کی گردن میں ہے وہ کب کسی دلیل کے سننے کا خواہشمند

ہوتا ہے۔ ایک بچہ جو اپنی ماں کی گود میں ہو، کیا کبھی اس سے کوئی پوچھا کرتا ہے کہ اس بات کی دلیل دو کہ یہ تمہاری ماں ہے۔ وہ ہر ایسے شخص کو پاگل سمجھے گا اور کہے گا میں تو اپنی ماں کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں اور یہ مجھ سے دلیل مانگ رہا ہے۔ پس اسی طرح ہمارے لئے بھی کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ تم دنیا کی ساری دلیلیں لے جاؤ اور لے جا کر انہیں سمندر میں غرق کر دو ہم خدا سے مل چکے ہیں اور ہم نے خدا کے مسیح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پس ہمارے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیلیں تو اندھوں کیلئے ہوا کرتی ہیں۔ دلیل کہتے ہیں راہ دکھانے کو۔ کبھی سوجا کھوں کو بھی راہ دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس دلیلیں اندھوں کیلئے ہیں ان کے لئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ بصارت عطا نہیں فرمایا مگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے بینائی دی اور تم اس کے نور سے منور ہوئے پس تم دلیلوں کے محتاج نہیں۔ تمہارے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ تم اپنے دل میں عشق پیدا کرو۔ عشق وہ چیز ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے اور دلیل وہ ہے جو باہر سے آتی ہے۔ تمہاری راہنمائی کوئی دلیل نہیں ہونی چاہئے بلکہ تمہارا راہنما تمہارا دل ہو۔ قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ [۱۱] کہ قرآن کریم اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اُتارا۔ اِس کا بھی یہی مطلب ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ غیروں کیلئے ہیں اور اِس کا مفہوم ہمارے لئے ہے۔ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں تھے بلکہ ابوجہل کیلئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو وہ محبت تھی جو اِن الفاظ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی اور آپ کے دل پر مُحیط ہوگئی۔ لوگوں نے اِس آیت سے غلطی کی وجہ سے یہ سمجھا ہے کہ قرآن مجید الفاظ میں نازل نہیں ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔ قرآن تو الفاظ میں ہی نازل ہوا ہے مگر وہ الفاظ غیر کیلئے ہیں ہمارے لئے اِس کا مفہوم ہے۔ وہ کون سا قرآن ہے جو تبدیل نہیں ہوسکتا وہ وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے۔ وہی ہے جس میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا۔ اِس قرآن میں تو کئی جگہ کاپی نویس زبر کی جگہ زیر لکھ دیتے اور اس طرح الفاظ تبدیل کر دیتے ہیں مگر وہ قرآن جو خدا کے جلال کو لے کر اُترا ہے وہ مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ الفاظ کی ظاہری حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے کی ہے مگر پھر بھی اِس قرآن میں کتابت کی غلطیاں ہوسکتی ہیں لیکن وہ قرآن جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں وہی ہے جو مومن بندے کے دل میں محفوظ ہوتا ہے۔ پس اس مغز کو لے کر اُٹھو اور اس سوز کو لے کر جاؤ جو مومن کا خاصہ ہے اور اس دیوانگی کے ساتھ نکلو جس پر تمام فرزانگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ ہم ایک ٹوٹا پھوٹا شعر کہتے ہیں اور جب تک ہم دس بیس کو سُنا نہیں لیتے اور اُن سے داد نہیں

لے لیتے ، ہمیں چین نہیں آتا۔ایک زمیندار چھ مہینے یا سال کی معمولی محنت کے بعد شکر تیار کرتا ہے اور ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہر ایک سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ کیسی اچھی ہے مگر آہ! ہمیں سب سے زیادہ پیاری نعمت ہمارا خالق و مالک ملا مگر ہم اُسے دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے ۔اگر ہمارا عشق کامل ہوتو ہم تو بیٹھ ہی نہ سکیں اور اُس وقت تک قرار نہ لیں جب تک تمام دنیا اُس کی عاشق نہ بن جائے ۔

حضرت سلیمانؑ کی وہ پیشگوئی جو میں نے جلسہ سالانہ پر بیان کی تھی کتنی عشق سے لبریز ہے ۔ کہتے ہیں ۔

''اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے'' ۔[1]

یہی عاشق کی علامت ہوتی ہے وہ جاتا ہے اور دم نہیں لیتا جب تک سب کو اُس کا دیوانہ نہ بنادے ۔ پس نکلو نہ اِس نیت سے کہ تم نے لوگوں کے سامنے وفاتِ مسیح یا صداقتِ مسیح موعود کا مسئلہ پیش کرنا ہے بلکہ اِس لئے کہ اپنے محبوب کیلئے تم نے اَور عاشق تلاش کرنے ہیں ورنہ جب تک فلسفیانہ خیالات کا تم پر غلبہ رہے گا تمہیں کامیابی نہیں ہوگی ۔فلسفیانہ دلائل صرف کُفر تک کیلئے ہیں ۔ایمان کے اندر سوز اور عشق کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بچپن میں بچے کیلئے چُوسنی کی ضرورت ہوتی ہے مگر بڑے کیلئے نہیں ۔جن بچوں کی مائیں ولادت کے بعد مر جاتی ہیں یا بیمار ہو جاتی ہیں اُن کے لئے چُوسنیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے یا پُرانے زمانہ میں لوٹیاں ہوا کرتی تھیں ۔لوٹی بے شک ضروری ہے اور ہم اسے دنیا سے مٹا نہیں سکتے مگر بچے کیلئے نہ کہ بڑے کیلئے بھی ۔ جب تک کہ ہم بچے تھے ہمیں لوٹی کی ضرورت تھی ، دلائل کی احتیاج تھی مگر اب ہم بڑے ہو گئے ہمارے دانت نکل آئے اور اب ہم براہِ راست روٹی کھانا چاہتے ہیں ۔

پس اس طرز پر کام کرو گے تو تمہیں کامیابی ہوگی ورنہ اگر یہ حالت نہ ہو تو انسان کو جو تکالیف پہنچیں وہ بھی بُری لگتی ہیں اور کامیابی کا ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے ۔ہم نے تو نہ کبھی دلیلیں سوچیں اور نہ کبھی غور کیا جب ضرورت ہوتی ہے خدا آپ ہی سمجھا دیتا ہے ۔ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ خدا کی محبت ہے ۔سو خدا کی محبت ہر وقت ہمارے پاس رہتی ہے اگر وہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ۔ پس عشق کو بڑھاؤ ، دل میں سوز اور درد پیدا کرو یہی میری پہلی نصیحت ہے یہی میری درمیانی نصیحت ہے اور یہی میری آخری نصیحت ہے ۔ جب تک یہ محبت رہے گی اُس وقت تک سوز قائم رہے گا اور جب تک سوز رہے گا اُس وقت تک زندگی قائم رہے گی جب یہ چیز نکل جائے گی تو پھر لوگوں کیلئے دلیلیں رہ جائیں گی اور تمہارے لئے یہ بھی نہ ہونگی ۔تمہیں جو چیز کامیاب کرسکتی ہے وہ

محبت ہے، وہ عشق اور سوز ہے۔ ابھی ایک شعر میں خاں صاحب نے بیان کیا ہے کہ جب شہدائے افغانستان پر پتھر پڑتے تھے تو وہ گھبراتے نہیں تھے بلکہ استقامت اور دلیری کے ساتھ اُن کو قبول کرتے تھے اور جب بہت زیادہ اُن پر پتھر پڑے تو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید، نعمت اللہ خان اور دوسرے شہداء نے یہی کہا کہ یا الٰہی! اِن لوگوں پر رحم کر اور انہیں ہدایت دے۔ بات یہ ہے کہ جب عشق کا جذبہ انسان کے اندر ہو تو اِس کا رنگ ہی بدل جاتا ہے، اُس کی بات میں تأثیر پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کے چہرہ کی نورانی شعاعیں لوگوں کو کھینچ لیتی ہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہاں ہزاروں لوگ آئے اور انہوں نے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو یہی کہا کہ یہ منہ جھوٹوں کا نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے ایک لفظ بھی آپ کے منہ سے نہ سنا اور ایمان لے آئے۔ یہی جذبہ آپ لوگوں میں بھی ہونا چاہئے۔ اگر لوگ آپ کو ماریں اور اس کے مقابلہ میں آپ بھی لوگوں کو ماریں، اگر لوگ آپ کو گالیاں دیں اور اِس کے مقابلہ میں آپ بھی لوگوں کو گالیاں دیں تو دنیا فتح کرنے کیلئے شاید ہزاروں سال بھی ناکافی ہونگے لیکن اگر وہ آپ کو ماریں اور آپ بھاگ جائیں تب بھی آپ دنیا کو فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ دنیا کبھی بُزدل کے قبضہ میں نہیں آسکتی۔ عشق کا تو یہ مطلب ہے کہ تم ماریں کھاؤ اور کھڑے رہو اگر تم مارو گے تو کامیابی نہیں ہوگی اور اگر تم مار کھا کر ہٹ جاؤ گے تب بھی کامیابی نہیں ہوگی کامیابی اُسی وقت ہوگی کہ وہ تمہیں ماریں اور تم دلیلیں دیتے چلے جاؤ۔ تم ایک جگہ کھڑے ہو وہ تمہیں گالیاں دے رہے ہوں کہ تم خبیث ہو، غدّار ہو، دشمنِ اسلام ہو مگر تم یوں ہو کہ گویا تمہارے کان اِن آوازوں کو سنتے ہی نہیں۔ تمہارے آنسو رواں ہوں اور تم یہ کہتے نظر آ رہے ہو۔ اے بھائیو! حق اِس طرف ہے تم قبول کر لو۔ تمہارے دل میں یہ نہ ہو کہ بندوں کے عذاب کو زیادہ دکھ دینے والی چیز سمجھ لو بلکہ وہ تمہیں جتنا زیادہ دُکھ دیں اُتنا ہی زیادہ تم ان کیلئے رحم دکھاؤ۔ کیونکہ وہ تمہیں جتنا زیادہ دکھ دیتے ہیں اتنا ہی زیادہ ان کی قابلِ رحم حالت ہوتی چلی جاتی ہے۔

تم جانتے ہو کہ ماں اپنے بچہ کیلئے بعض دفعہ ساری ساری رات جاگتے گزار دیتی ہے مگر کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کسی ماں نے شکوہ کیا ہو۔ اسی طرح اگر وہ تمہیں مارتے ہیں تو وہ خدا کے غضب کے نیچے ہیں تم پر بندوں کا ہاتھ اُٹھ رہا ہے اور اُن پر خدا کا ہاتھ۔ غور کرو، دونوں میں سے کون قابلِ رحم ہے۔ کیا تم یا وہ جس پر خدا کا غضب مستولی ہونا چاہتا ہے۔ یاد رکھو بندہ کے ہاتھ میں

کوئی طاقت نہیں تمام طاقتوں کا منبع اللہ تعالیٰ کا ہی ہاتھ ہے پس وہ تمہیں جتنا زیادہ دکھ دیں تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اتنی ہی زیادہ ہمدردی سے ان کے ساتھ پیش آؤ۔

یہ وہ رنگ ہے جس سے ہم دنیا کو فتح کر سکتے ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر ہم میں چند سَو ہی ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو دنیا کا نقشہ بدل جائے۔ پس درد و سوز اور گداز کے ساتھ نکلو۔ تم ماریں کھاؤ مگر ہاتھ نہ اُٹھاؤ، تمہاری آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، دل میں درد اُٹھ رہا ہو، سینے میں جلن پائی جاتی ہو اور تم محسوس کرتے ہو کہ یہ تمہارا بھائی ہے جو تباہ ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ تجربہ کر کے دیکھو گاؤں کے گاؤں اِس طریق سے احمدیت میں شامل ہوتے ہیں یا نہیں۔ یہی گُر ہے جو تمہیں کامیاب بنائے گا۔

افسوس میں نے دو تین سال سے کئی بار اِس کی طرف توجہ بھی دلائی مگر ابھی ایک بھی ایسا نہیں نکلا جس نے اِس بات پر عمل کیا ہو۔ کئی ہیں جو نرمی کے معنی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تبلیغ کیلئے گئے مگر جب مخالفت ہوئی تو واپس آ گئے۔ یہ نرمی نہیں بلکہ کم ہمتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دلیر دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر کیا دنیا میں کوئی ایک شخص بھی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ آپ نے کبھی بُزدلی دکھائی۔ روحانی جرنیلوں کا ذکر جانے دو۔[۱۲] نپولین کو ایک دفعہ شکست ہو چکی تھی، اُس کی فوج کے پاس گولہ بارود ختم ہو گیا، انگریزی فوجوں نے اُس کی فوج پر متواتر گولے پھینکنے شروع کر دیئے مگر جب کہ گولے یکے بعد دیگرے گر رہے تھے نپولین کی فوج اسی حالت میں کھڑی رہی۔ ایک جرنیل کہتا ہے میں ایسے موقع پر نپولین کی فوج میں گیا اور کہا تم مقابلہ کیوں نہیں کرتے وہ کہنے لگے ہمارے پاس گولہ و بارود ختم ہو گیا ہے۔ جرنیل کہتا ہے میں نے کہا کہ پھر بھاگتے کیوں نہیں؟ وہ کہنے لگے نپولین نے ہمیں بھاگنا سکھایا ہی نہیں۔ جو لڑنے والی چیز تھی وہ ہمارے پاس نہیں اور بھاگنا ہم نے سیکھا نہیں اِس لئے اب ہم کریں تو کیا کریں۔ تو نپولین جو دنیا کا معمولی سردار تھا اُس کی فوج کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے بھاگنا سیکھا نہیں مگر ہم میں سے بعض لوگ نہایت نادانی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن نے ہمیں بھاگنا سکھایا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔ قرآن تو کہتا ہے جو دشمن کے مقابلہ سے بھاگتا ہے وہ اپنا دوزخ میں ٹھکانہ بناتا ہے۔[۱۳] جو بھاگتا ہے وہ بُزدل ہے اور جو اُس پر ہاتھ اُٹھاتا ہے جس پر نہیں اُٹھانا چاہئے وہ ظالم ہے۔ جس چیز کو اسلام پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ تم گالیاں سنتے جاؤ، ماریں کھاؤ، مگر اپنا کام کئے جاؤ۔ یہ وہ چیز ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے اور جب ایسا موقع پیش آئے تو یہاں بھی عشق سے کام لو دلیل

سے نہیں ۔ یہ نہیں کہ تمہارے دل میں خیال آ رہا ہو کہ چونکہ قرآن مجید کہتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ سے نہ بھاگو اِس لئے نہیں بھاگتے بلکہ تمہارا درد اور تمہاری اندرونی محبت تمہیں کہے کہ تم اُس وقت لوگوں کی ہمدردی کیلئے کھڑے رہو اور اُنہیں سمجھاؤ اگر ایسا درد نہ ہوگا تب بھی تمہارے سامنے دلیل ہوگی حالانکہ اُس وقت دلیل غائب ہونی چاہئے اور گو قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت ہی اُس وقت کھڑے رہو پھر بھی اُس وقت یہ دلیل تمہیں یاد نہ ہو تمہیں صرف یہی خیال ہو کہ ہم نے اِن لوگوں کے سامنے ہدایت کا پیغام پیش کرنا ہے اگر وہ نہیں سنتے تو بھی ہم نے انہیں سنانا ہے ۔ اگر ہم سوچیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حقیقی توحید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انسان صرف اللہ تعالیٰ کو مدنظر رکھے ۔ تمہیں یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہئے کہ چونکہ قرآن کریم کہتا ہے اس لئے ہم ایسا کرتے اور ایسا نہیں کرتے بلکہ جو تمہارے اندر خدا بیٹھا ہے وہ بلا کسی واسطہ کے تمہیں کہے اور تم اس پر عمل کرو اسی کا نام عشق ہے اور اسی عشق کا متوالا دنیا میں کامیاب ہوا کرتا ہے ۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا شخص اگر کسی جگہ صرف ایک ہے تو وہ دو ہو جائیں گے اور دو ہوں تو چار ہو جائیں گے اور چار ہوں تو آٹھ بن جائیں گے ۔ یہ چیز ہے جس کو لے کر جاؤ اور یہی چیز ہے جو تمہیں کامیاب بنا سکتی ہے ۔ میں نے اپنی شدید تکلیف کی حالت میں آپ لوگوں کو یہ باتیں کہی ہیں اور اِس امید پر کہی ہیں کہ یہ باتیں صحیح نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک آدمی بھی ایسا پیدا ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی ہو سکتی ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں صحیح عشق پر قائم کرے اور دلائل کی دلدل سے نکالے ۔ ہمارے یہ دلائل کیا چیز ہیں جب ہمیں خدا مل گیا تو ہمیں ان دلائل کی کیا ضرورت ہے ۔ بھول جاؤ اِس بات کو کہ لڑائی کیا ہوتی ہے، بھول جاؤ اِس بات کو کہ بھاگنا کیا ہوتا ہے، تمہارے دل میں سب کیلئے جلن ہو، تمہاری آنکھوں سے محبت کے آنسو رواں ہوں اور تم اپنے نفس پر دوسروں کیلئے موت وارد کرو ۔ مجھے ساری اُردو شاعری میں سے سوز اور مصیبت کی گھڑیوں میں صرف ایک ہی شعر یاد آیا کرتا ہے جو یہ ہے ۔

دل میں اِک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانیے کیا یاد آیا

جب عشق پیدا ہوتا ہے تو انسان سب کچھ بھول جاتا ہے ۔ اُسے پتہ ہی نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہا ہے ۔ وہی سوز جس کو انسان خود بھی نہیں سمجھ سکتا اور وہی درد جس کو وہ خود بھی نہیں بیان کر سکتا اور کہتا ہے خبر نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے ۔ یہ عشق جس میں انسان کہتا ہے کہ مجھے کچھ ہونے لگا الفاظ

سے مستغنی ہوتا ہے بلکہ وہ الفاظ میں اظہارِ درد اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ عشق غیر محدود ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابدی زندگی کیلئے پیدا کیا تا کہ وہ غیر محدود عشق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا غیر محدود قُرب حاصل کرے اور ابدیت کی زندگی پائے۔ خدا کرے یہ چیز آپ لوگوں میں پیدا ہو جائے۔ اگر یہ عشق آپ اپنے دل میں پیدا کر لیں گے تو دنیا کی کوئی چیز آپ کی کامیابی میں روک نہیں ہو سکے گی اور آخر ایک دن تمام دنیا آپ کے قدموں میں گر جائے گی۔

(الفضل ۸۔جنوری ۱۹۳۳ء)

---

۱ متی باب ۱۳ آیت ۵۷
۲ تذکرہ صفحہ ۱۴۱۔ایڈیشن چہارم
۳
۴ الشوریٰ: ۱۲
۵ بخاری کتاب الادب باب رحمة الولدو تقبیله ومعانقته
۶ ترمذی ابواب الزهد باب ماجاء فی الصبر علی البلاء
۷ سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ (مفہوماً)
۸ فتح الباری الجزء الرابع صفحہ ۷۰ مطبع خیریہ ۱۳۱۹ھ
۹ بخاری کتاب الجهاد باب من ینکب اویطعن فی سبیل اللّٰه
۱۰ البقرۃ:۹۸
۱۱ غزل الغزلات باب ۵ آیت ۱۶ صفحہ ۶۵۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ایڈیشن ۱۹۲۲ء
۱۲ نپولین: شہنشاہِ فرانس (۱۷۶۹ء۔ ۱۸۲۱ء)
۱۳ وینڈیمیئر (Vendemiaire) کی بغاوت (۱۷۹۵ء) میں اس کے زبردست اقدام نے اسے وقت کی اہم ترین شخصیت بنا دیا۔ اطالوی مُہم کے قائد کی حیثیت سے اس نے پست ہمت، فاقہ زدہ سپاہیوں کو ایک نا قابلِ تسخیر فوج بنا دیا۔ مسلسل، بروقت اقدامات سے نپولین نے افراطِ زر کا تدارک کیا۔ کلیسیا سے صلح کی۔ ایک نیا آئینی ضابطہ وضع کیا۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے شہنشاہ فرانس اور ۱۸۰۵ء میں شاہِ اٹلی ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۲۔اپریل ۱۸۱۴ء کو نپولین تخت سے دست بردار ہوا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۸ء مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)